عصرِ حاضر میں رؤیتِ ہلال

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری

فہرست عصر حاضر میں رؤیتِ ہلال

عصرِ حاضر میں رؤیتِ ہلال

سوال نامہ از اسلامک فقہ اکیڈمی

اسلام نے متعدد عبادات اور شرعی احکام کو قمری ماہ وسال سے وابستہ کیا ہے اور قمری ماہ کے آغاز واختتام کو بصری رویت پر رکھا ہے، خصوصا روزہ جیسی اہم ترین اسلامی عبادات کا آغاز واختتام، اسی طرح دونوں اسلامی تہواروں عید الفطر اور عید الاضحیٰ (جن کی حیثیت اصلاً عبادت کی ہے) کی ادائیگی بھی قمری ماہ وتاریخ سے وابستہ ہے، اسلئے رؤیت ہلال سے متعلق قدیم وجدید سوالات کا شرعی حل ایک اسلامی فریضہ ہے جو بابصیرت اور دقیق النظر علماء اور اصحاب افتاء پر عائد ہوتا ہے۔

رؤیت ہلال کے بارے میں کچھ اہم اور بنیادی مسائل پر علماء کی طرف سے متفقہ رائے نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے جس سے روزہ جیسی اہم عبادت اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی پر مسرت تقریبات متأثر ہوتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی نئی ایجادات اور بعض علاقوں میں نظام قضاء کے فقدان کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوگئے ہیں؛ لہٰذا اس سلسلہ میں چند بنیادی سوالات اصحاب علم وتحقیق اور علماء وفقہاء کی خدمت میں اس امید کے ساتھ پیش کئے جارہے ہیں کہ آپ حضرات ان سوالات پر واضح اور مدلل جواب تحریر فرمائیں گے۔

پہلا سوال

(الف) رویتِ ہلال کے سلسلہ میں مطالع کے اختلاف کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(ب) رؤیت ہلال کے سلسلہ میں مطالع کے اختلاف کا اعتبار ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟

(ج) ہندوستان بشمول پاکستان، بنگلا دیش، نیپال کا مطلع ایک ہے یا

مختلف، بالخصوص جب کہ ان کے علاقوں میں بلندی کی سطح کافی مختلف ہے۔

(د) اگر مطلع ایک ہے تو کیا جس حصہ میں انتیس: ۲۹ر تاریخ کو رؤیت ہلال کا ثبوت اور اس کا اعلان بھی کر دیا جائے تو ملک کے دوسرے خطے کے مسلمانوں پر کیا یہ لازم ہے کہ وہ اس اعلان کے مطابق عمل کریں یا اپنے مقامی قاضی اور جہاں نظام قضاء نہ ہو وہاں کی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کریں؟ اور کیا دوسرے خطہ کے قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی اس اعلان کی پابند ہے؟

(ر) ایک خطہ میں اگر رؤیت ہو جائے اور دوسرے خطہ تک اس کی خبر بذریعہ فون یا فیکس یا ٹیلیگرام یا ریڈیو سے ملتی ہے تو اس خبر پر کیا عمل کرنا صحیح ہوگا؟ کیا ان کے اعتبار کے لئے کچھ شرائط ہیں اور کیا ان کے مابین احکام میں کچھ فرق ہے؟

دوسرا سوال

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اکثر موسم کا فرق رہتا ہے اور فضاء کبھی ابر وگرد وغبار سے آلودہ ہوتی ہے اور کبھی دیگر مختلف طرح کی کثافتوں سے بھی متأثر ہوتی ہے، اور اس لحاظ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے مابین فرق ہوتا ہے، اس لئے قمری مہینہ کی انتیس تاریخ کو ہر جگہ مطلع یکساں صاف یا گرد آلود نہیں رہتا ہے تو....

(الف) کیا رؤیت کے لئے فلکیاتی حساب سے مدد لی جاسکتی ہے؟ تا کہ یہ معلوم ہو کہ آج افق پر چاند کی بصری رؤیت کا امکان ہے یا نہیں؟

(ب) بعض جدید اور قدیم علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر کسی خطہ میں فلکیاتی حساب سے قمری ماہ کی انتیس تاریخ کو چاند کی بصری رؤیت کا امکان نہ ہو اور اس کے باوجود اس خطہ سے رؤیت ہلال کی شرعی شہادت ملتی ہے تو کیا اسے قبول کیا جائے گا یا یہ کہہ کر کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے شہادت رد کردی جائے گی؟

(ج) چاند کی رؤیت کے لئے کیا محکمۂ موسمیات سے مدد لی جاسکتی ہے یعنی اس کے علم کے لئے کہ آج مطلع صاف ہے یا گرد آلود یا کثافت زدہ ہے اور چاند کی رؤیت ممکن ہے یا نہیں؟

(د) اگر انتیس شعبان کو ابر آلود ہوا اور ایک شخص کی شہادت کی بنا پر قاضی نے آغاز رمضان کا اعلان کر دیا ہو، اس کے بعد رمضان کی تیس تاریخ مکمل ہو چکی ہو، تیس رمضان کی شام کو موسم بالکل صاف ہوا اور عید کا چاند دیکھنے کی بہت کوشش کے باوجود کسی کو عید کا چاند دکھائی نہ پڑا ہو تو کیا اگلے دن کو عید الفطر کا دن قرار دے کر عید منائی جائے گی؟ یا یہ سمجھا جائے گا جس فرد واحد نے رمضان کے چاند کی گواہی دی تھی اس سے مغالطہ ہوا یا اس نے غلط بیانی سے کام لیا، لہٰذا اگلے دن کو رمضان کی تیس تاریخ قرار دے کر روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا جائے گا؟

تیسرا سوال

(الف) رمضان وعیدین کے ثبوت کے لئے جب مطلع صاف ہو تو کتنے افراد کی چاند دیکھنے کی شہادت کافی ہوگی؟ چاند دیکھنے والوں کے لئے عدل کا وہ معیار ضروری ہے جو فقہاء نے عام طور پر لکھا ہے؟ یا موجودہ دور میں اتنا کافی ہے کہ چاند دیکھنے والے کو معاشرہ میں جھوٹا نہیں سمجھا جاتا اور صوم وصلوۃ کا پابند ہے؟ اور کیا مستور الحال کی شہادت معتبر ہوگی؟

(ب) چاند دیکھنے والوں کے لئے کیا قاضی کے پاس جا کر یا جہاں نظام قضاء نہ ہو وہاں کے مقامی علماء یا رؤیت ہلال کمیٹی کے ذمہ دار کے پاس جا کر شہادت دینا ضروری ہے؟ چاند دیکھنے والوں کا بیان اصولی طور پر شہادت ہے یا خبر؟ اگر شہادت ہے تو کیا اس کے لئے شہادت اور مجلس قضاء اور شہادت کی دیگر شرائط کا پایا

جانا ضروری ہے؟

(ج) دیکھنے والوں کے لئے کیا فوری طور پر شہادت دینا ضروری ہے اور اگر چاند دیکھنے کے بعد چند گھنٹوں کی تاخیر یا ایک دن یا اس سے زائد کی تاخیر کے بعد شہادت دے تو کیا ان کی شہادت قبول کی جائے گی یا رد کردی جائے گی؟ خصوصاً جب کہ رمضان وعید الفطر کے موقعہ پر تاخیر سے اعلان کی صورت میں مسلمانوں کے مابین شدید اختلاف وانتشار پیدا ہوجاتا ہے۔

چوتھا سوال

(الف) صوبۂ بہار اور اڑیسہ اور ملک کے دیگر صوبوں میں جہاں نظام قضاء موجود ہے اگر وہاں کا قاضی چاند ہونے کا ثبوت ہونے کے بعد اعلان کرتا ہے تو کیا اس کے حلقہ قضاء کے تمام مسلمانوں پر اس اعلان پر عمل ضروری ہوگا یا نہیں؟

(ب) قاضی صاحب کی طرف سے اگر ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے ذریعہ متعینہ الفاظ میں اعلان ہوتا ہے تو اس کا اعلان اعلان سلطان کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟

(ج) ہندوستان اور اس جیسے ملکوں میں اگر ایک صوبہ کے قاضی یا رویت کمیٹی نے شرعی اصولوں کی روشنی میں رویت ہلال کا اعلان کیا تو کیا یہ صرف اسی صوبے کے مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہوگا یا پورے مسلمانوں کے لیے یعنی دوسرے علاقے کے مسلمانوں کے حق میں وہ محض ایک خبر ہے یا انکے حق میں بھی اعلانِ سلطان کا درجہ رکھتا ہے؟

(د) ریڈیو سے رویت ہلال کے اعلان کے معتبر ہونے کے لئے کیا معلن کا مسلمان ہونا ضروری ہے؟ یا کوئی بھی شخص اعلان کرے، اگر تجربات سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ شخص قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کی طرف خبر کی صحیح نسبت کیا کرتا ہے تو

کیا اس پر اعتماد کر لینا کافی ہے؟

پانچواں سوال

(الف) بعض علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے اور بہت کم چاند کی رویت ۲۹؍تاریخ کو ممکن ہوتی ہے، جیسے برطانیہ، کہ سال کے کچھ یا اکثر مہینوں میں وہاں چاند ۲۹؍تاریخ کو نظر ہی نہیں آتا تو کیا ایسی جگہوں پر ہمیشہ ۳۰؍دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کیا جائے؟

(ب) اگر مہینہ ۳۰؍دن کا شمار کیا جاتا ہے تو سال کے دنوں میں دیگر ممالک اسلامیہ کے حساب سے ہفتہ، دس دنوں کا فرق پڑ جاتا ہے اور چار سال میں ایک مہینے کا فرق ہو جاتا ہے تو کیا ایسی جگہوں میں چاند کی رویت کے لیے ماہرین فلکیات کے قول پر اعتماد کیا جائے؟ یا دیگر ممالک میں رویت ہلال کے اعلان پر عمل کیا جائے؟

(ج) ملک کے چند شہروں یا صوبوں کی رویت ہلال کمیٹی کے ذمہ داران کی طرف سے رویت کے ثبوت کا فیصلہ ہو جانے پر ان جگہوں کے ریڈیو اسٹیشن ان کی طرف سے رویت کا جو اعلان کرتے ہیں، دوسرے علاقوں کے ذمہ داران کس حد تک ان اعلانات پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا ان اعلانات کی بنیاد پر وہ رویت کا ثبوت مان کر اپنے علاقوں میں اعلان کر سکتے ہیں اور اس کے لیے کیا کم از کم تین جگہوں کا اعلان درکار ہوگا؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

(الف) بحث اختلاف مطالع

قدیم زمانہ سے یہ مسئلہ فقہاء کرام کے مابین زیرِ بحث رہا ہے کہ چاند کے مطالع کا اختلاف (کہ کسی جگہ چاند کسی تاریخ کو نظر آئے اور دوسری جگہ دوسری تاریخ کو) احکام میں مؤثر ومعتبر ہے یا نہیں؟

مثلاً مغربی علاقوں میں چاند نظر آیا جب کہ ابھی مشرقی علاقوں میں نظر نہیں آیا، تو کیا اس اختلاف کا اعتبار کر کے یہ کہا جائے گا کہ جہاں نظر آ گیا وہاں کے لوگ روزہ رکھ لیں یا عید کر لیں اور جہاں نظر نہیں آیا وہاں کے لوگ روزہ نہ رکھیں اور عید نہ کریں، یا اس اختلاف کا اعتبار نہ کر کے یہ حکم کیا جائے گا کہ اس رویتِ ہلال کی خبر دنیا کے کسی خطے اور علاقے میں پہنچے، وہاں کے لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا لازم ہوگا؟

مگر یہ بات یہاں ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس اختلاف کا منشأ یہ نہیں ہے کہ چاند کے مطالع میں اختلاف ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، نہیں بلکہ مطالع میں اختلاف کا ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کو سبھی فقہاء وعلماء مانتے ہیں؛ کیونکہ یہ ایک واقعاتی چیز ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ اس اختلافِ مطالع کے مؤثر ومعتبر ہونے میں ہے کہ بعض معتبر مانتے ہیں اور بعض غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے:

اعلم أن نفس اختلاف المطالع لانزاع فیه بمعنی أنه قدیکون بین البلدتین بعد بحیث یطلع الهلال لیلةً کذا فی إحدی البلدتین دون الأخری – الی أن قال – وإنما الخلاف فی اعتبار اختلاف

المطالع الخ ۔ (۱)

(جاننا چاہئے کہ اختلافِ مطالع میں بجائے خود کوئی نزاع واختلاف نہیں ہے اس معنی کر کہ کبھی دوشہروں میں اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک میں فلاں رات چاند طلوع ہوجاتا ہے دوسرے میں نہیں۔۔۔۔آگے چل کر فرمایا کہ۔۔۔۔ بس اختلاف تو اس اختلافِ مطالع کے اعتبار میں ہے کہ کیا ہر قوم پر اپنے مطلع کا اعتبار کرنا واجب ہے اور دوسرے مطلع کے مطابق ان پر عمل لازم نہیں ہے، یا اس اختلاف کا اعتبار نہیں ہے بلکہ جو پہلے دیکھا گیا، اس پر عمل کرنا واجب ہے، حتی کہ اگر مشرق میں جمعہ کی رات چاند دیکھا گیا اور مغرب میں ہفتہ کی رات، تو مغربی لوگوں پر مشرقی لوگوں کی رویت پر عمل کرنا واجب ہوگا؟)(۲)

اس سے واضح ہوا کہ مطالع میں فی نفسہ اختلاف کا ہونا، فقہاء کرام کے نزدیک مسلم ہے ۔اختلاف اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ پھر علامہ شامیؒ کے مطابق اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں جو اختلاف ہے وہ صرف روزہ کے بارے میں ہے، باقی امور جیسے حج وقربانی وغیرہ کے متعلق اس اختلاف کا سبھی نے اعتبار کیا ہے۔(یہ بات علامہ شامی نے علماء کے کلام سے اخذ واستنباط کر کے بیان کی ہے، مگر حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں اس سے اختلاف کیا ہے)(۳)

غرض یہ کہ فقہاء کرام کے مابین اختلافِ مطالع کے مسئلہ میں جو بحث ہوئی ہے، وہ اختلافِ مطالع کے ثبوت کے بارے میں نہیں جیسا کہ بعض حقیقت سے ناواقف لوگ گمان کرتے ہیں ، بلکہ اختلاف و بحث اس کے معتبر ہونے یا نہ

---

(۱)الدر المختار للشامی:۳۶۳/۲(۲)رد المختار:۳۹۳/۲(۳)دیکھو امداد الفتاوی :۱۸۰/۲، اعلاء السنن:۱۰۳/۹

ہونے میں ہے۔

فقہاء کے اس میں تین مسلک ہیں:

(۱) ایک یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں، نہ بلاد قریبہ میں نہ بلاد بعیدہ میں۔ لہٰذا ایک شہر میں رویت ہو جائے تو بطریق موجب جس شہر وعلاقے میں بھی یہ خبر پہنچے' وہاں کے لوگوں پر اس رویت کا اعتبار کرنا لازم ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہؒ احمدؒ و مالکؒ کی طرف یہ قول منسوب ہے، اور کتبِ فقہ حنفیہ میں اس کو ظاہر الروایہ بتایا گیا ہے۔(۱)

(۲) دوسرا یہ کہ اختلافِ مطالع کا ہر حال میں اعتبار کیا جائے، بلاد قریبہ میں بھی اور بلاد بعیدہ میں بھی۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے بحوالہ ابن المنذر اس قول کو عکرمہ ،قاسم ،سالم واسحاق کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا کہ امام ترمذی نے اہل علم سے صرف اسی قول کو نقل کیا ہے اور ماوردی نے شافعیہ کا ایک قول یہی بیان کیا ہے۔(۲)

(۳) تیسرا قول اس سلسلے میں یہ ہے کہ بلاد قریبہ میں اختلاف مطالع معتبر نہیں اور بلاد بعیدہ میں معتبر ہے، لہٰذا ایک جگہ کی رویت' اس جگہ سے قریب علاقوں میں مانی جائے گی اور اس سے بعید علاقوں میں نہیں مانی جائے گی۔ شافعیہ میں سے اکثر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔(۳)

اور ہمارے علماء احناف میں سے بھی بہت سے حضرات نے اسی تیسرے قول کو راجح وصحیح قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے علامہ طحطاوی، امام قدوری، صاحب فتاوی تاتارخانیہ، صاحب ہدایہ، علامہ زیلعی اور دیگر فقہاء کی عبارات سے واضح کیا ہے۔ اور خود علامہ عبدالحی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے وہ

---

(۱) دیکھو البحر الرائق: ۲۷۰/۲، درمختار مع شامی: ۳۹۳/۲، مراقی الفلاح: ۱۲۶، الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۵۵۰/۱ (۲) فتح الباری: ۱۲۳/۴ (۳) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۵۵۰/۱

فرماتے ہیں:

''واصح المذاہب عقلاً ونقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ فیما بین آنہا مسافت باشد کہ دراں اختلافِ مطالع می شود وتقدیرش مسافت ایک ماہ است، دریں صورت حکم رویت یک بلدہ ببلدہ دیگر نخواہد شد، ودر بلادِ متقاربہ کہ مسافت کم از یک ماہ داشتہ باشد حکم رویت یک بلدہ ببلدہ دیگر خواہد شد۔(۱)

(عقلاً ونقلاً سب سے زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جن دو شہروں میں اتنی مسافت ہو کہ اس میں مطلع بدل جاتا ہو جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت ہے، ان میں ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لیے معتبر نہ ہوگی اور قریبی شہروں میں جن کے درمیان ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو ایک شہر کی رویت کا حکم دوسرے شہر کے لیے ہوگا)

نیز علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ یوسف بنوریؒ نے شرحِ ترمذی میں نقل کیا ہے اور وہ خود بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲)

نیز علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اسی کو اصح وراجح قرار دیا ہے۔(۳)

اور علامہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، وہ اپنے رسالہ رویتِ ہلال میں فرماتے ہیں:

''آج تو ہوائی جہازوں نے ساری دنیا کے مشرق ومغرب کو ایک کر ڈالا ہے، ایک جگہ کی شہادت دوسری جگہ پہنچنا قضیہ (مشکل مسئلہ) نہیں، بلکہ روزِ مرہ کا واقعہ بن گیا ہے، اور اس کے نتیجے میں اگر مشرق کی شہادت مغرب میں اور مغرب کی مشرق میں حجت مانی جائے تو کسی جگہ مہینہ اٹھائیس دن کا، کسی جگہ اکتیس دن کا ہونا لازم آجائے گا، اس لیے ایسے بلادِ بعیدہ میں جہاں مہینے کے دنوں میں کمی بیشی کا امکان ہو، اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا ہی ناگزیر اور مسلکِ حنفیہ

---

(۱) مجموعۃ الفتاوی:۲/۱۳۴-۱۳۵ (۲) دیکھو معارف السنن:۵/۳۳۷ (۳) فتح الملہم:۳/۱۱۳

کے عین مطابق ہوگا۔‘‘(۱)

مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کے اجلاس منعقدہ ۳،۴مئی ۱۹۶۷ء کی تجویز وفیصلہ جس پر مختلف مکاتب فکر کے علماء اور مختلف اداروں کے نمائندوں نے اتفاق کیا تھا اس میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ:

’’نفس الامر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے، بلکہ اختلافِ مطالع مسلم ہے، یہ ایک واقعاتی چیز ہے،اس میں فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نہیں۔البتہ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں کہ صوم وافطارِ صوم کے باب میں یہ اختلافِ مطلع معتبر ہے یا نہیں؟ محققین احناف اور علماءِ امت کی تصریحات اوران کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلافِ مطلع معتبر ہے۔‘‘(۲)

اس تفصیل سے یہ بات نہایت وضاحت سے سامنے آگئی کہ جمہور علماء احناف بھی خصوصاً اس آخری دور میں اسی کے قائل ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جانا چاہیئے۔

اورعلامہ یوسف بنوریؒ نے اس جگہ ایک لطیف بات فرمائی ہے جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ائمہ مذہب کا قول بھی اختلافِ مطالع کے اعتبار ہی کا ہے، علامہ موصوفؒ نے فرمایا کہ:

’’والذی یظهر ان الائمة لم ينقل عنهم الا قول عدم العبرة للاختلاف مطلقا من غير فرق بين قرب وبعد ومن غير تفصيل وانما المنقول عنهم قول اجمالی ومنشاء ذلك ان طیّ مسافة بعيدة يختلف فی مثلها مطلع الهلال ماكان يمكن فی شهر واحد نظرا الی نظام المواصلات فی ذلك العهد ونظرا الی النظام المعهود فی قطع المسافة

(۱) رویتِ ہلال:۴۸ (۲) رویتِ ہلال از مولانا محمد میاں صاحبؒ:۱۰۴

عند ذلك ،فما كان يمكن ان يرى رجل الهلال ثم يصل قبل تمام الشهر الى بلد يختلف مطلعه فكان الحكم هو اللزوم بالوجه الشرعي وعدم العبرة للاختلاف فجاء قول عدم العبرة من هذه الجهة وظاهر أن نفس اختلاف المطالع الشرقية والغربية لم يكن ليخفى على مثل الأئمة حكماء الأمة ،ثم اذا جاء من بعدهم فوسعوا دائرة قولهم الى مالم يريدوه وأخذوا قولهم بأوسع معنى الكلمة عاماً في كل مطلع وأرى أن هذا غير ملائم ،ولا بد أن يراعى تلك الظروف المحيطة والأحوال المحاطة والأغراض۔ (۱)

(ائمہ کرام سے تو صرف اختلافِ مطالع کے عدمِ اعتبار کا ایک اجمالی قول بغیر کسی تفسیر اور بغیر کسی قرب و بعد کی تفریق کے مطلقاً منقول ہے، اور اس کا منشأ یہ ہے کہ اس زمانے کے نظامِ مواصلات اور قطعِ مسافت کے نظامِ معہود کے لحاظ سے ایک ماہ کے اندر اندر اتنی دور کی مسافت کا طے کرنا جس سے کہ چاند کا مطلع مختلف ہو جائے، ممکن نہ تھا۔ یہ بات ناممکن تھی کہ کوئی شخص چاند دیکھے، پھر ایک ماہ سے پہلے ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں کا مطلع پہلی جگہ کے مطلع سے مختلف ہو۔ اس لیے اگر کوئی خبر پہلے پہنچ گئی تو یہ سمجھا جاتا کہ مطلع ایک ہے۔ لہٰذا شرعاً اس رویت کے اعتبار کو لازم قرار دیا گیا اور اختلافِ مطلع کے عدمِ اعتبار کا قول اس جہت سے آیا ہے۔ پھر لوگوں نے اس قول کو وسعت دی اور ہر مطلع کے لیے عام کر دیا، مگر یہ میرے نزدیک مناسب نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اس زمانے کے احوال وظروف اور ان کے اغراض ومقاصد کی بھی رعایت کی جائے)

اس تحریر کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ کی ایک تحریر ان کے فتاوی میں نظر سے گزری جو علامہ بنوریؒ کی بات کی تائید کرتی ہے، لہٰذا اس کو نقل کرتا ہوں، وهي هذه:

(۱) معارف السنن: ۳۳۸/۵-۳۳۹

"فالضابط أن مدار هذا الامر (ای قضاء الصوم) علی البلوغ؛ لقوله: "صوموا لرویته"، فمن بلغه أنه روٌی ثبت فی حقه من غیر تحدید بمسافة أصلاً، وهذا یطابق ماذکره ابن عبدالبر فی طرفی المعمورة لایبلغ الخبرفیهما إلا بعد شهر، فلا فائدة فیه، بخلاف الأماکن الذی یصل الخبرفیها قبل انسلاخ الشهر لأنها محل الاعتبار"۔(۱)

غرض یہ کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا معتبر ہونا ہی قرینِ قیاس اور اکثر علماء کا اختیار کردہ قول و مذہب ہے۔

مطالع کے حدود

دوسرا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کیے جانے کی صورت میں اس کے حدود کیا ہوں گے؟ تو اس سلسلہ میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلہ میں علماء کے پانچ اقوال نقل کیے ہیں۔(۲)

بعض فقہاء کرام نے ایک ماہ کی مسافت کو معیار قرار دیا ہے کہ جن دوشہروں کے مابین اتنی مسافت ہو جو ایک ماہ میں طے کی جا سکے گی تو یہ شہر و علاقے مختلف المطلع ہوں گے اور جن کے درمیان اس سے کم مسافت ہو وہ متحدالمطلع ہوں گے۔ علامہ شامیؒ نے بحوالہ ''جواہر'' اس کو علامہ قہستانی سے نقل کیا ہے اور علامہ تاج تبریزیؒ سے نقل کیا کہ چوبیس فرسخ سے کم میں مطالع کا اختلاف ممکن نہیں ہے۔(۳)

سب سے زیادہ واضح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ جن دو علاقوں میں اتنی دوری واقع ہو کہ ان میں عادۃً ایک دن کا فرق رویت میں ہو جاتا ہو وہ علاقے آپس میں بعید شمار ہوں گے ،اور ان میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جن

---

(۱) مجموعۃ الفتاوی:۲۵/ ۱۰۷ (۲) فتح الباری:۴/ ۱۲۳ (۳) شامی:۲/ ۳۹۳

علاقوں میں عام طور پر رویت میں کوئی فرق نہیں ہوتا ان کو بلادِ قریبہ قرار دیا جائے گا اوران میں اختلاف غیر معتبر ہوگا۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

''جن بلاد میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی رویت کا دوسری جگہ اعتبار کرنے سے مہینہ کے دن اٹھائیس رہ جائیں یا اکتیس ہوجائیں وہاں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا اور جہاں اتنا فاصلہ نہ ہو وہاں نظر انداز کردیا جائے گا۔(۱)

اور مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کے اجلاس منعقد ۳،۴ مئی ۶۷ ء کی تجویز میں بھی یہی اختیار کیا گیا ہے۔

ہندو پاک کا مطلع ایک ہے

اسی سے یہ مسئلہ بھی صاف ہوگیا کہ ہندو پاک اوراسی طرح بعض قریبی ممالک جیسے نیپال کا مطلع چوں کہ ایک ہے بایں معنی کہ ان میں رویت میں ایک دن کا عام طور پر فرق نہیں ہوتا،اس لیے ہندو پاک، بنگلہ دیش و نیپال کے کسی بھی حصہ میں رویت ہوتو وہ دوسرے علاقوں کے لیے معتبر مانی جائے گی۔

مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ نے اپنی تجویز میں کہا ہے کہ:

''ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے،علماء ہندو پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے،غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بعد مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو اس بنیاد پر ان دوملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا ان دوملکوں کے تمام اہلِ شہر پر لازم ہوگا۔

---

(۱) فتح الملہم :۱۱۳/۳

قاضی اور کمیٹی کا دائرہ اثر

رہا یہ سوال کہ اگر ان علاقوں میں سے کسی جگہ ۲۹ر تاریخ کو رؤیت ہو جائے اور وہاں اسکا اعلان بھی کر دیا جائے تو دوسرے علاقوں کے لوگ اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں یا اپنے قاضی یا جہاں قاضی نہ ہو وہاں رویت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کریں؟ اور یہ کہ کیا دوسرے علاقوں کے قاضی یا رویت ہلال کمیٹی اس اعلان کی پابند ہوگی؟

اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہیں:

(۱) رمضان کا چاند ۲۹ر تاریخ کو دیکھا جائے اور اسکا اعلان کیا جائے تو اس صورت میں دوسرے علاقہ کے اہل اسلام تک اس کی خبر بطریقِ موجب پہنچے تو ان کے لیے درست ہے کہ اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے وہ روزہ رکھیں؛ کیوں کہ رمضان کے لیے حسبِ تصریحاتِ فقہ قابل اعتماد خبر کافی ہے۔

(۲) عید کا چاند ۲۹ر تاریخ کو دیکھ کر اسکا اعلان کیا گیا ہو تو اس صورت میں دوسرے علاقوں کے مسلمان محض خبر پر اعتماد نہیں کر سکتے بلکہ فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہے کہ عید کے چاند میں با قاعدہ شہادتِ شرعیہ کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا مقامی قاضی اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں کوئی عالم ثقہ یا معتمد کمیٹی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ شہادت حاصل کر کے فیصلہ کرے اور مسلمانوں کے ذمہ ہوگا کہ اس کا انتظار کریں۔

البحر الرائق میں ہے کہ:

"وقُبِلَ بعلةٍ خبرُعدل، ولوقنّا أو أنثى لرمضان، وحُرّين أوحُرّ وحُرّتين للفطر؛ لأن صوم رمضان أمر ديني، فأشبه رواية الأخبار، ولهذا لايختص

بلفظ الشهادة – إلى أن قال– وأما هلال الفطرفلأنه تعلق به نفع العباد وهوالفطر، فأشبه سائر حقوقهم ، فيشترط فيه مايشترط في سائر حقوقهم من العدالة والحرية والعدد و عدم الحد في قذف ، ولفظ الشهادة والدعوىٰ الخ"۔(۱)

اور درمختار میں ہے:

"وقُبِلَ بلادعوى وبلا لفظ" أشهد" وبلا حكم ومجلس قضاء ؛ لأنه خبرلا شهادة ، للصوم مع علة كغيم وغبار، خبرعدل أومستور– ولوكان العدل قنّا أو أنثى أومحدوداً فى قذف تاب– وشُرِطَ للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد الخ"۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے چاند کی صورت میں خبر صادق کے پہنچنے پر اس کے مطابق عمل جائز ہے مگر عید کے لیے شہادت کے ضروری ہونے کی وجہ سے صرف کسی خبر پر افطار درست نہیں، لہٰذا قاضی کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے۔

جہاں قاضی ہوں وہاں کا حکم تو صاف ہے کہ فیصلہ کے لئے قضاء کا انتظار ضروری ہے، البتہ جہاں قاضی نہ ہو جیسے ہندوستان کے اکثر شہروں کا حال ہے تو اس سلسلہ میں صاحبِ بحر و درمختار دونوں نے تصریح کی ہے کہ ایسے علاقوں میں ضرورت کی وجہ سے شہادتِ شرعیہ ساقط ہوجائے گی اور صرف دو ثقہ و معتبر آدمیوں کی خبر پر افطار کیا جاسکتا ہے۔ علامہ حصکفی کہتے ہیں:

ولو كان ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقةٍ و أفطروا بإخبارعدلين مع العلّة للضرورة ۔ قوله : لاحاكم فيها : اى لا قاضى ولا والى

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۶۶-۲۶۷ (۲) الدرالمختار مع الشامی: ۲/۳۸۵-۳۸۶

كما فی الفتح ، قوله : للضرورة : ای ضرورة عدم وجود حاكم يشهد عنده "۔

علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ:

"انهم لو كانوا ببلدة لاقاضی فيها ولا والٍ فان الناس يصومون بقول الثقة ويُفطِرُون بإخبارعدلين للضرورة "۔ (۱)

اور علامہ بنوریؒ نے اسی پر یہ فرمایا ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہیں ہے وہاں شہادت شرعیہ گزارنا نہیں چاہئے بلکہ عید میں صرف دو عادل آدمیوں کی خبر پر عید کرنا چاہئے ،علامہ کی عبارت یہ ہے:

"اعلم أن بلاد الهند اليوم ليستُ فيها حكومة إسلامية وليس فيها دار قضاء المسلمين ، فالحكم في مثلها الصوم بإخبار ثقة ، والفطر بقو ل ثقتين ، ولاينبغى لعلماء العصر من المفتين المشي على ما هو شان قضاء دارالإسلام من الشهادة وغيرها"۔ (۲)

مگر حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے عمدۃ الرعایۃ اس کے خلاف یہ لکھا ہے کہ ثقہ عالم حاکم کے قائم مقام ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

"والعالم الثقة في بلدة لاحاكم فيها قائم مقامه "۔ (۳)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے یا ہے مگر باقاعدہ شرعی قاضی مقرر نہیں ہیں وہاں شہر کے عام دیندار مسلمان جس عالم یا جماعت پر مسائل دینیہ میں اعتماد کرتے ہوں اس شخص یا جماعت کو قاضی کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور رویت

---

(۱) البحر الرائق:۲/۲۶۷ (۲) معارف السنن:۵/۳۴۵ (۳) عمدۃ الرعایۃ:۱/۲۴۶ حاشیہ:۸

ہلال میں اس کا فیصلہ واجب التعمیل ہوگا۔(۱)

زمانے کے موجودہ حالات کے لحاظ سے بھی بہتر یہی ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں کسی معتبر عالم دین یا جماعت و کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے تا کہ انتشار وافتراق سے بچا جاسکے۔

(۱)(ر) رویت ہلال اور آلات جدیدہ

ایک علاقے کی رویت کی خبر کسی دوسرے علاقے میں جدید آلات جیسے ریڈیو، فیکس، ٹیلی گرام یا فون کے ذریعہ موصول ہو تو اس پر عمل کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور یہ کہ ان کے اعتبار کے لیے کچھ شرائط ہیں یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے:

ریڈیو اور ٹیلی وژن کی خبر

ریڈیو اور ٹیلی وژن کی خبر بسلسلہ رویتِ ہلال معتبر ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ

(۱) رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے ان کی خبر اس وقت معتبر ہوسکتی ہے جبکہ ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن اس بات کے پابند ہوں کہ بغیر علماء کے فیصلہ کے کوئی خبر ہلال کے بارے میں شائع نہ کریں بلکہ علماء کے فیصلہ کے مطابق ثقہ لوگوں کے انتظام سے نشر کریں، اگر ثقہ لوگوں کے انتظام سے علماء کے فیصلہ کو نشر کیا جائے تو اس پر رمضان کے ثبوت کو مانا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں؛ کیونکہ رمضان کے چاند کے لیے شہادت شرط نہیں ہے بلکہ ثقہ و معتبر آدمی کی خبر کافی ہے۔(۲)

(۲) عید کے چاند کے لیے چونکہ آسمان کے غبار آلود ہونیکی صورت میں

---

(۱) رویت ہلال (۲) شامی: ۳۹۰/۲

شہادتِ شرعیہ شرط ہے، لہٰذا ریڈیو اور ٹی وی کا اعلان ہلال عید کے لیے کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ خبر صادق کا درجہ پائیں گے نہ کہ شہادت کا۔ شہادت کے لیے گواہ کا مجلس حاکم یا قاضی میں حاضر ہوکر گواہی دینا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے، لہٰذا ہلال عید کے سلسلہ میں ان پر نشر ہونے والے اعلان پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) البتہ اگر مختلف طریقوں سے اتنی خبریں آ جائیں کہ احتمال کذب وخطاء ختم ہو جائے تو اس پر رمضان وعید دونوں کا ثبوت ہو سکتا ہے، اس کو خبر مستفیض کہتے ہیں۔

قال الشامی : فی الذخیرة قال شمس الأئمة الحلوانی : الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخری یلزمهم حکم هذه البلدة ۔ (۱)

خبر مستفیض کی صورت یہ ہے کہ مختلف لوگوں کی طرف سے خبریں پہنچیں کہ فلاں شہر میں رویت ہوئی اور فیصلہ ہوا۔ شامی میں ہے: "معنی الاستفاضة أن تأتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منهم یُخبِرُ عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رویة "۔ (۲)

استفاضہ کی صورت میں شہادت شرط نہیں ہے۔

قال الشامی علی قول الدر المختار : نعم لو استفاض الخبر فی البلد ة الأخری لزمهم علی الصحیح : قلت : وجه الاستدراك أن هذا الاستفاضة لیس فیها شهادة علی قضاء قاض ولا علی شهادة لکن لما کانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا یوم کذا لزم العمل بها "۔(۳)

خلاصہ یہ کہ ریڈیو کے مختلف اسٹیشن اگر چاند ہونے کا فیصلہ نشر کریں تو پھر اس

(۱) شامی: ۲/۳۹۰ (۲) شامی: ۲/۳۹۰ (۳) امداد المفتین: ۴۷۸-۴۷۹

خبر کو خبر مستفیض کہا جائے گا، لہٰذا اس اعلان وخبر پر مقامی قاضی یا کمیٹی فیصلہ کردے تو درست ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :

''اگر عام رویت ہلال کمیٹی یا کسی قاضی ومفتی کے سامنے شہادت گزرنے اور اس فیصلہ کی اطلاع مختلف شہروں اور مختلف اطراف کی دس بیس نشرگاہوں سے آجائے تو اصطلاح فقہاء میں یہ خبر مستفیض ہوجائے گی جس میں شرائط شہادت ساقط ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہلال رمضان وہلال عیدین دونوں میں ریڈیو کی خبر پر عمل درست ہوگا بشرطیکہ شہر کے قاضی ومفتی اس چیز کو خبر مستفیض تسلیم کرلیں، عوام خود اس کا فیصلہ نہ کریں۔ (۱)

ظاہر ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی کا اس سلسلہ میں ایک ہی حکم ہے۔ (وھو ظاہر جداً)

ٹیلیفون اور وائرلس کی خبر

(۱) جن صورتوں میں محض خبر ثقہ ثبوت ہلال کے لئے کافی ہے ان میں ٹیلیفون اور اسی طرح وائرلس کی خبر پر اعتماد کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ خبر دینے والا ثقہ آدمی ہو اور اس کی آواز اس طرح پہچان لی جائے کہ ظن غالب حاصل ہوجائے کہ یہ فلاں آدمی ہے۔

(۲) جن صورتوں میں شہادت ضروری ہے، ظاہر ہے کہ ان میں محض ٹیلیفون یا وائرلس کی خبر کافی نہ ہوگی، اگرچہ خبر دینے والا معتبر ہو اور پہچان لیا جائے ؛ کیونکہ شہادت میں گواہی دینے والے کا روبرو حاضر ہونا ضروری ہے۔

(۳) ہاں اگر متعدد لوگوں کی طرف سے اتنے فون ملیں کہ یقین حاصل ہوجائے اور استفاضہ کی صورت پیدا ہوجائے تو اس پر عید ورمضان دونوں میں اعتماد

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ: ۱/ ۴۰۸

کرنا درست ہے۔

ٹیلی گرام اور ٹیلکس

تار اور ٹیلکس میں چونکہ خبر دہندہ کی نہ تحریر ہوتی ہے اور نہ دستخط ہوتا ہے، پھر اس کو بھیجنے میں غیر مسلم لوگوں کا دخل بھی ہوتا ہے اس لیے علماء نے اس کے بارے میں زیادہ احتیاط برتی ہے۔ بعض نے اس کو مطلقاً غیر معتبر قرار دیا ہے اور بعض نے بشرائط بعض صورتوں میں اس کو معتبر مانا ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے مطلقاً ان کی خبر کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔(۱)

حضرت تھانویؒ نے پہلے بعض شرائط کے ساتھ تار کی خبر کو معتبر قرار دیا تھا، اور یہ ۱۳۲۱ھ کی بات ہے مگر بعض ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر اس فتوے سے رجوع کر کے اپنے فتوے مرقومہ ۱۳۲۷ھ میں اس کی خبر کو مطلقاً غیر معتبر قرار دیدیا، لیکن پھر ۱۳۲۹ھ کے ایک فتوے میں بعض شرائط سے اسکو معتبر قرار دیا ہے۔(۲)

اسی طرح مفتی عزیز الرحمٰنؒ وغیرہ حضرات علماء نے بھی بعض صورتوں میں اس کا اعتبار کیا ہے۔(۳)

اور وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) رمضان کے چاند کی خبر بذریعہ تار اس وقت معتبر ہوسکتی ہے جبکہ خبر دہندہ شناسا ہو اور معتبر ہو اور آسمان صاف ہونے کی خبر آئے اور ان خبروں سے کم از کم ظن غالب حاصل ہو جائے مثلاً دو تین لوگوں کے تار پہنچیں۔

(۲) ظاہر ہے کہ تار کی خبر شہادت نہیں ہوسکتی، لہذا ان صورتوں میں اسکا اعتبار نہ ہوگا جن میں شہادت شرط ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھو: امداد الفتاویٰ: ۲/۸۸-۲/۹۳ (۲) دیکھو عزیز الفتاویٰ: ۳:۳۷۳ وفتاویٰ دارالعلوم: ۶/۳۷۶ (۳) تفصیل کے لئے دیکھو: امداد الفتاویٰ: ۲/۸۸-۲/۹۳

(۳)مختلف لوگوں کے اتنے تار کسی علاقہ کے متعلق چاند ہونے اور وہاں اس پر فیصلہ ہونے کے پہنچ جائیں کہ یقین حاصل ہو جائے تو یہ بھی خبر مستفیض ہو گی، اور اس پر رمضان وعید دونوں میں اعتبار کیا جا سکتا ہے۔(۱)

E-mail کی خبر

E-mail کی خبر کا کیا حکم ہے؟ یہاں اس کا ذکر بھی مناسب ہے، میرے نزدیک اس کا حکم ٹیلی گرام اور ٹیلکس کے مشابہ ہے؛ کیونکہ اس میں بھی بھیجنے والے کی کوئی تحریر نہیں ہوتی جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ یہ کس نے بھیجا ہے، بلکہ ٹیپ شدہ حروف ونقوش ہوتے ہیں، جس کو کوئی بھی ٹیپ کر کے روانہ کر سکتا ہے۔

البتہ اس میں اور ٹیلی گرام وٹیلکس میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ E-mail کے پتہ سے اس کا اندازہ لگانا ممکن ہے کہ کس نے بھیجا ہے، اور یہ کہ وہ ہمارا شناسا ہے یا نہیں، نیز فوری طور پر اس کی تصدیق حاصل کرنا بھی آسان ہوتا ہے، اس کے برخلاف ٹیلی گرام وٹیلکس میں کوئی علامت ایسی نہیں ہوتی جس سے بھیجنے والے کا اندازہ لگانا ممکن ہو۔

اس فرق کی وجہ سے E-mail کو خط کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جس طرح خط میں یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فلاں ہی کا خط ہے، بلکہ ایک اندازہ ہی ہو سکتا ہے؛ کیونکہ فقہاء کرام کے مطابق ''الخط یشبہ الخط'' (ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے)، لہٰذا یہ امکان رہتا ہے کہ کسی اور کا خط ہو، اسی طرح اس میں بھی پتہ ہونے کے باوجود یہ امکان ہے کہ کسی اور نے اس پتہ سے E-mail کیا ہو؛ کیونکہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ لوگ کسی کا E-mail ID دھوکہ

(۱) دیکھو عزیز الفتاویٰ:۳۰۷ و فتاویٰ دار العلوم:۶/۳۷۶

سے معلوم کر لیتے ہیں اور اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، تو اس امکان کے ہوتے ہوئے، اس پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کی خبر کا حکم یہ ہے کہ جب تک تحقیق نہ ہو کہ یہ کس نے بھیجا ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے، اور اگر معلوم ہو جائے تو پھر انہی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا جو ٹیلی گرام کے بیان کئے گئے ہیں۔

فیکس (Fax) کی خبر

فیکس (Fax) کی خبر کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا حکم خط کا حکم ہے؛ کیونکہ جس طرح خط میں تحریر ہوتی ہے جس سے خط لکھنے والے کی پہچان ہو سکتی ہے اسی طرح اس میں بھی صاحب خط کو اس کی تحریر سے معلوم کیا جا سکتا ہے، مگر جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے ایک کا خط دوسرے کے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے، اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فلانے کا خط ہے، اسی طرح فیکس کا حال بھی ہے، لہٰذا جو حکم خط کا ہے وہی حکم فیکس کی خبر کا ہوگا۔

فلکیاتی حساب سے مدد

(الف) ۲۹ رتاریخ کو رویت بصری کا فنی اصولوں کے تحت امکان ہے یا نہیں؟ اس کو معلوم کرنے کے لیے جدید فلکیاتی تحقیقات سے مدد لینا درست ہے یا نہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ چونکہ آج فلکیاتی تحقیقات نے کافی ترقی حاصل کر لی ہے اور اس سلسلہ میں بعض جدید نقشہ جات بھی بنانے والوں نے بنائے ہیں اس لئے اگر اس حد تک ان سے مدد لی جائے کہ افق پر ۲۹ رتاریخ کو رویت بصری از روئے قواعد ممکن ہے یا نہیں معلوم ہو جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔

البتہ اس سے صرف اتنا ہی کام لینا چاہئے جتنا کہ اس کا دائرہ ہے، مثلاً قواعد

وحساب نے کسی جگہ ۲۹؍تاریخ کو رویت کا امکان ظاہر کیا مگر چاند کی رویت نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ رویت کا فیصلہ نہ ہوگا۔

(ب) اگر کسی خطہ میں فلکیاتی حساب سے قمری ماہ کی ۲۹؍تاریخ کو چاند کی بصری رویت کا امکان نہ ہو، مثلاً نئے چاند کے پیدا ہونے کے بعد اس پر ابھی کم سے کم آٹھ ۸ گھنٹے نہ گزرے ہوں تو چونکہ اس صورت میں چاند کی بصری روایت حدِ امکان سے باہر ہوتی ہے تو ایسے خطہ سے رویت ہلال کی شرعی شہادت ملے تو کیا کرنا چاہئے۔ رد کرنا چاہئے یا قبول کر لینا چاہئے؟

راقم کا خیال یہ ہے کہ ایسی شہادت رد کی جا سکتی ہے جبکہ فلکیاتی حسابات قطعی ہوں اور کبھی خطا نہ کرتے ہوں، مگر واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان حسابات میں قطعیت نہیں نظر آتی۔ ایسا ہوتا ہے کہ محکمہ موسمیات کے ماہرین کسی تاریخ کو رویت بصری کا امکان ظاہر کرتے ہیں اور دوسرے ماہرین فلکیات اسکا انکار کرتے اور عدم امکان کا فیصلہ سناتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے رمضان ۱۳۸۰ھ کا واقعہ اپنی کتاب ''رویت ہلال'' میں پیش کیا ہے کہ کراچی میں محکمہ موسمیات ایک ہفتہ پہلے سے یہ اعلان کر رہا تھا کہ ۲۹؍رمضان جمعہ کے روز غروب آفتاب کے بعد چاند تقریباً ۲۱؍منٹ افق پر رہے گا اور دیکھا جائے گا جو تمام کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا، مگر پنجاب یونیورسٹی کی رصد گاہ کے حکام نے اس کی تردید کی اور اخبار ''ایوینگ اسٹار'' میں انکا بیان شائع ہوا کہ یہ پیش گوئی غلط ہے۔ جمعہ کے روز ہلال عید نظر آنے کے غالباً بہت کم امکانات ہیں۔ (۱)

اس واقعہ کو پیش کر کے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''اتنی بات اس اختلاف میں سب کے لئے واضح ہوگئی کہ ان قواعد و آلات

(۱) رویت ہلال: ۴۲-۴۳

سے حاصل ہونے والے نتائج کو قطعی ویقینی کہنا محض خوش گمانی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسمیں بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔(۱)

ظاہر کہ جب ماہرین کی ایک جماعت رویت کا عدم امکان ظاہر کررہی ہے اور دوسری امکان کا اظہار کررہی ہے تو فیصلہ کن چیز یہ حساب نہ ہوا۔ لہٰذا شہادت شرعیہ کا محض ان حسابات کی بنا پر رد کرنا صحیح نہیں ہے۔(۲)

(ج) اس سلسلہ کا ایک سوال یہ ہے کہ چاند کی رؤیت کے لئے کیا محکمۂ موسمیات سے مدد لی جاسکتی ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ آج مطلع صاف ہے یا گردآلود یا کثافت زدہ ہے اور چاند کی رؤیت ممکن ہے یا نہیں؟

اس کا جواب واضح ہے کہ محکمہ موسمیات سے اس طرح کی مدد اس غرض سے لینا درست ہے، مگر رویت ہونے یا ہونے کا فیصلہ تو شرعی اصولوں پر ہی ہوگا، محض رویت کے امکان سے رویت کا ثبوت نہیں سمجھا جائے گا۔(کمامر)

(د) ایک سوال اس مبحث میں یہ زیر غور ہے کہ ۲۹؍شعبان کو مطلع ابرآلود تھا اور ایک شخص کی گواہی پر قاضی نے رمضان کا فیصلہ کردیا، پھر تیس دن رمضان کے پورے ہوگئے مگر مطلع صاف ہونے کے باوجود رویت نہ ہوئی جبکہ لوگوں نے رویت کا اہتمام بھی کیا، تو اب تیس دن کے بعد والے دن کو عیدالفطر کہا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ رمضان کے چاند کی گواہی دینے والے نے دھوکہ کھایا ہے یا غلط بیانی کی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ احناف میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عید نہیں کی جائے گی اور رمضان میں رویت ہلال کی گواہی دینے والے کو خاطی سمجھا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں عید

(۱) رویت ہلال:۲۴ (۲) دیکھو شامی:۲؍۳۸۷

منائی جائے گی۔امام زیلعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے قول کو اشبہ قرار دیا ہے۔

درمختار میں ہے:

ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز ، وغُمَّ هلال الفطر لا يحل على المذهب خلافاً لمحمد كذا ذكرهُ المصنف، لكن قال ابن الكمال عن الذخيرة : أنهٗ إن غُمَّ هلال الفطر حل اتفاقاً ، وفى الزيلعى : الأ شبه إن غُمَّ حل وإلا لا۔"

(اگر لوگوں نے ایک عادل کے قول پر جبکہ اس کی گنجائش ہو روزہ رکھا اور عید الفطر کا چاند پوشیدہ ہو گیا تو حنفی مذہب پر افطار جائز نہیں ، برخلاف امام محمد کے ، مصنف نے اسی طرح ذکر کیا ہے،لیکن ابن الکمال نے ذخیرہ کے حوالے سے کہا کہ اگر عید الفطر کا چاند پوشیدہ ہو تو عید کرنا باتفاق جائز ہے،اور زیلعی میں ہے کہ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اگر چاند چھپا ہوا ہو تو عید کرنا جائز ہے ورنہ نہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک صورت مسئولہ میں روزہ افطار کرنا جائز نہیں جبکہ مطلع صاف ہو اور ایک آدمی کے قول پر اعتماد کر کے رمضان مانا گیا ہو،اور امام محمد کے نزدیک اس صورت میں افطار جائز ہے،ہاں اگر مطلع ابر آلود ہو اور چانداس کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو اس میں باتفاق ائمہ افطار حلال ہے،اور اس میں امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد سب کا یہی قول ہے۔

امام شامی نے اس پر لکھا ہے :

" قوله :" لكن " استدراك على ما ذكره المصنف من أن خلاف محمد فيما إذا غُمَّ هلال الفطر بأن المصرح به فى الذخيرة و كذا فى المعراج عن المجتبىٰ : أن حل الفطر هنا محل وفاق ، إنما الخلا ف فيما إذا لم يغم ، ولم يُرَ الهلال ، فعندهما لايحل الفطر وعند محمد

یحل کما قال شمس الائمة الحلوانی، حررہ الشرنبلالی فی الإمداد وقولہ : "وفی الزیلعی الخ " نقلہ لبیان فائدۃ لم تظھر من کلام الذخیرۃ وفی ترجیح عدم حل الفطر إن لم یغم شوال لظھور غلط الشاھد۔(۱)

لہٰذا شیخین کے قول کے مطابق مذکورہ بالا صورت میں عید و افطار کے بجائے مزید ایک روزہ رکھنا چاہئے اور پہلے شاہد کو خاطی شمار کرنا چاہئے۔

اور فقہاء شوافع میں بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں؛ مغنی المحتاج میں لکھا ہے کہ:

" وإذا صمنا نعدل ولم نرالھلال بعد ثلاثین أفطرنا في الأصح المنصوص ، وإن کانت السماء مصحیة ، أي لا غیم فیھا لکمال العدد بحجة شرعیة ، والثاني : لا ، لأن الفطر یؤدي إلی ثبوت شوال بقول واحد وھو ممتنع ۔(۲)

نصاب خبر و شہادت

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان و عیدین دونوں کے چاند کے ثبوت کے لئے اتنے آدمیوں کی خبر ضروری ہے جن کی خبر سے ظن غالب حاصل ہو جائے۔ ہلال رمضان کے بارے میں ہدایہ میں ہے کہ:

"وان لم تکن بالسما ء علة لم تقبل الشھادۃ حتیٰ یراہ جمع عظیم یقع العلم بخبر ھم"۔

اور عید کے چاند کے بارے میں لکھا ہے:

وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شھادۃ جماعة یقع العلم بخبرھم "۔(۳)

---

(۱) الدر المختار مع حاشیۃ الشامی: ۲/۳۹۱ (۲) مغنی المحتاج: ۱/۴۲۱ (۳) ھدایہ: ۱/۱۹۵-۱۹۶

اور درمختار میں ہے:

" وقُبِلَ بلا علّةٍ جمع عظيم يقع العلم الشرعى وهو غلبة الظن بخبرهم"۔

شامی نے اس کی شرح میں کہا ہے:

" أى إن شرط القبول عند عدم العلة فى السماء لهلال الصوم أو الفطرأو غير ها۔۔۔ إخبار جمع عظيم۔ (۱)

علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا:

" إن لم يكن بالسماء علة فيها يشترط أن يكون الشهود جمعاً كثيراً يقع العلم بخبرهم أى علم غالب الظن لا اليقين " ۔ (۲)

جمع عظیم کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں: امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ پچاس آدمی مراد ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اہل محلّہ میں سے اکثر مراد ہیں اور بعض نے فرمایا کہ ہر مسجد سے ایک دو آدمی ہوں تو جمع عظیم ہے۔ خلف بن ایوب نے فرمایا کہ بلخ میں پانچ سو آدمی بھی قلیل ہیں (تو اس سے زیادہ ہونا چاہئے) مگر ظاہر الروایۃ میں کوئی عدد مذکور نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی تعداد جس پر جمع عظیم کا اطلاق ہوسکتا ہے، امام المسلمین کی رائے پر منحصر ہے۔ (۳)

یہی آخری قول اکثر علماء احناف نے اختیار کیا ہے۔

رمضان وعید کے بارے میں بصورت عدم علت ایک قول یہ ہے جو ابھی گذرا۔ اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس موقعہ پر بھی دو شاہدوں کی گواہی کافی ہے۔ اس قول کو امام حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے۔ صاحب البحر اور علامہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۸۷-۳۸۸ (۲) البحر الرائق: ۲/ ۲۶۸ (۳) البحر الرائق: ۲/ ۲۶۸، شامی: ۲/ ۸۸

شامی نے اس قول کو اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے قابل عمل قرار دیکر راجح کہا ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

" وینبغی العمل علیها فی زماننا لأن الناس تکاسلت عن ترائی الأهلة ، فانتفی قولهم" مع توجهم طالبین لما توجهوا إلیه " فکا ن التفرد غیر ظاهر فی الغلط ۔(۱)

علامہ شامی نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں ابن نجیم کے خیال کی بھرپور تائید کی ہے۔(۲) وجہ یہ ہے کہ لوگ چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کرتے لہٰذا اگر جمع عظیم کی قید لگائی جائے جیسا کہ ظاہر الروایۃ میں ہے تو چاند کا ثبوت مشکل ہو جائے گا، پھر لوگ رمضان کے ثبوت پر نا خوش و ناراض ہوتے ہیں بلکہ شاہدوں کو ایذا بھی دیتے پائے گئے ہیں۔اور زمانہ فسق کا زمانہ ہے اس لئے امام شامی اور امام ابن نجیمؒ کی رائے ہے کہ بصورت عدم غیم و علت بھی صرف دو شاہدوں کی گواہی کو معتبر قرار دینا چاہیئے۔

راقم کہتا ہے کہ حضرات مفتیان کرام کو چاہیئے کہ حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کریں کہ کیا چاند کے سلسلے میں تکاسل کی وہی صورت حال آج پائی جاتی ہے یا نہیں، اگر ہے تو اسی قول پر فتوی دینا چاہیئے۔

عدل کا معیار

خبر و شہادت کے نصاب میں فقہاء کرام نے افراد کے لئے عدل کی شرط لگائی ہے، اس صورت میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں بھی کیا عدل کا وہ معیار ضروری ہے جو فقہاء نے لکھا ہے؟ شاید اس سوال کا منشأ یہ خیال ہو کہ موجودہ

(۱) البحر الرائق: ۲۶۸/۲ (۲) منحۃ الخالق علی البحر الرائق: ۲۶۸/۲ و شامی: ۳۸۸/۲

دور میں ایسے لوگ نہیں ملتے جو اس معیار پر پورے اُترتے ہوں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر خبر دینے والا ایک جمع عظیم ہو تو اس میں تو عدالت شرط نہیں ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ: "ولا یشترط فیھم الاسلام ولا العدالۃ"۔(۱)

ہاں ایک دو آدمیوں کی خبر کی صورت میں عدالت شرط ہے اور عدالت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"والعدالۃ ملکۃ تحمل علی ملازمۃ التقوی والمروۃ" (عدالت ایک ملکہ ہے جو انسان کو تقوی و طہارت اور مروت کی ساتھ رہنے پر ابھارتا ہے)۔(۲)

اور مراد یہاں عدل کا ادنی مرتبہ ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے: "والشرط أدناھا، وھو ترك الكبائر والإصرارعلی الصغائر وما یخلُّ بالمروۃ"۔(۳)

اسی طرح ابن نجیم مصری نے بھی ادنی مرتبۂ عدالت کو یہاں شرط قرار دیکر اس کی یہی تعریف کی ہے کہ کبائر سے اجتناب ہو اور صغائر پر اصرار نہ ہو اور مروت کے خلاف کوئی حرکت نہ کیجائے۔(۴)

ظاہر ہے کہ عدالت کی مذکورہ تعریف کے مطابق رویتِ ہلال کے سلسلہ میں عمل درآمد کرنے میں کوئی پریشانی نہیں۔ ایسے افراد جو تقوی اور مروت کے اس ادنٰی معیار پر پورے اتریں معاشرہ میں کم نہیں ہیں، اگرچہ پہلے ادوار کی بنسبت اس سلسلہ میں کمی ہوسکتی ہے، مگر فی نفسہٖ ایسے افراد کم نہیں ہیں، لہٰذا عدالت کی تعریف

---

(۱) شامی: ۳۸۸/۲ (۲) البحر الرائق: ۲۶۶/۲، شامی: ۳۸۸/۲ (۳) شامی: ۳۸۸/۲ (۴) البحر الرائق: ۲۶۶/۲

میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔

ہاں البتہ ضرورت کے موقعہ پر غیر عدل کی گواہی بھی قبول کی جا سکتی ہے اور ایسے مواقع میں صرف اتنا کافی ہے کہ گواہی دینے والا معاشرہ میں جھوٹا نہ سمجھا جاتا ہو۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معین الاحکام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

''علامہ قرافی نے باب السیاست میں بیان کیا ہے کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ جب کسی جگہ شاہد عادل نہ ملیں تو ہم غیر عادل لوگوں میں سے جو دین کے اعتبار سے بہتر اور فسق میں کم ہو اس کی شہادت کے قائم کریں گے اور ایسا کرنا اس زمانہ کے قاضیوں کے لئے لازم ہے تاکہ لوگوں کے حقوق اور مصالح ضائع نہ ہو جائیں۔ پھر فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کوئی عالم وفقیہ اس بات سے اختلاف کرے گا''۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر فاسق کی شہادت بھی مقبول ہے جبکہ وہ جھوٹا نہ ہو اور معاشرہ میں سچا سمجھا جاتا ہو، اگرچہ اصطلاحِ شریعت میں وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔

مستور الحال کی خبر

مستور الحال آدمی جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ یہ کیسا آدمی ہے، اچھا ہے یا برا، اس کے متعلق عام طور پر فقہاء نے یہی لکھا ہے کہ اس کی خبر معتبر نہیں، لیکن ایک روایت میں امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ مستور الحال کی خبر رمضان کے چاند میں مقبول ہے۔(۲)

مگر اس روایت کا کیا درجہ ہے؟ اس کے بارے میں علامہ حصکفی اور علامہ

---

(۱) رویت ہلال:۳۸ بحوالہ معین الاحکام:۴۵ (۲) البحر الرائق:۲/۲۶۶، شامی:۲/۳۸۵

ابن نجیم غیرہ نے لکھا ہے کہ یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے، مگر علامہ شامی نے اس کو بھی ظاہر الروایۃ قرار دیا ہے اور اس کی دلیل میں انھوں نے حاکم الشہید کی کافی سے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں مسلم و مسلمہ کی شہادت کو معتبر قرار دیتے ہوئے تصریح کی گئی ہے کہ عدل ہو یا غیر عدل، اور غیر عدل سے مراد مستور ہونا بیان کیا ہے۔ اور حاکم الشہید نے ''الکافی'' میں امام محمد کی کتب سے جو ظاہر الروایہ کہلاتی ہیں ان کا کلام جمع کیا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ امام ابوحنیفہ کی یہ روایت ظاہر الروایہ کے خلاف نہیں بلکہ ظاہر الروایہ ہی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ظاہر الروایہ میں مذکور بات و حکم کا درجہ مقدم ہوتا ہے۔

نیز اس روایت کی متعدد حضرات فقہاء نے تصحیح بھی کی ہے، امام بزازی نے اس کی تصحیح کی ہے، اور معارج اور تجنیس میں بھی اس کی تصحیح کی گئی ہے، اور امام حلوانی نے اسی کو لیا ہے اور نور الایضاح میں اسی پر چلے ہیں۔ (۲)

لہٰذا اس روایت کی بنا پر گنجائش ہے کہ مستور الحال کی خبر کو قبول کیا جائے۔

شہادت اور مجلس قضا

جہاں نظامِ قضاء موجود ہے وہاں قاضی کے پاس جا کر شہادت قائم کرنا ضروری ہے، فقہاء کی عام عبارات میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ رمضان کے چاند کی صورت میں ایک عادل کی خبر مقبول ہوگی۔ الخ ان میں ظاہر یہی ہے کہ قاضی و حاکم قبول کرے گا۔

ہدایہ میں عبارت ہے: وقبل الإمام شهادة الواحد العدل الخ (۳)

(۱) شامی: ۳۸۵/۲ (۲) دیکھو: درمختار و شامی: ۳۸۵/۲، البحر الرائق: ۲۶۶/۲ (۳) هداية: ۱۹۵/۱

معلوم ہوا کہ رمضان کے چاند کا مسئلہ بھی امام ہی کے سامنے جانا چاہئے۔ نیز استفاضہ کی صورت پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ کسی شہر کے بارے میں خبر متواتر پہنچے تو چونکہ وہاں حاکم کے فیصلہ کے بعد ہی اسکا ثبوت ہوا ہو گا، لہٰذا اس پر عمل درست ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

" لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر ، وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يو م كذا لزم العمل بها؛ لأن البلدة لاتخلو عن حاكم شرعي عادةً فلابد من أن يكون صومهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعي الخ ۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاد اسلامیہ میں دستور یہی تھا کہ حاکم و قاضی ہی رمضان کا فیصلہ کرتا تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نظام کو برقرار رکھنے کے واسطے چاند دیکھنے والے قاضی کے پاس جا کر گواہی دیں۔

اور جہاں نظامِ قضا نہ ہو یا والی و حاکم نہ ہو وہاں جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، عالم ثقہ یا کمیٹی اس کی قائم مقام ہوگی ۔ہم نے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے حوالے سے اوپر یہ نقل کیا ہے کہ مستند عالم حاکم کے قائم مقام ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيها قائم مقامه "۔(۲)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا حوالہ بھی دیا تھا کہ آپ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے یا ہے مگر باقاعدہ شرعی قاضی مقرر نہیں ہیں وہاں شہر کے عام دیندار مسلمان جس عالم یا جماعت پر مسائل دینیہ میں اعتماد کرتے ہوں اس شخص یا جماعت کو قاضی کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور رویت ہلال میں اس کا فیصلہ واجب التعمیل ہوگا۔(۳)

میری رائے میں موجودہ حالات کے لحاظ سے بھی بہتر یہی ہے کہ جہاں

---

(۱) شامی:۲/۳۹۰ (۲) عمدۃ الرعایۃ :۱/۲۴۶ حاشیہ:۸ (۳) رویت ہلال:۳۹

قاضی نہ ہوں وہاں کسی معتبر عالم دین یا جماعت و کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے تا کہ انتشار وافتراق سے بچا جا سکے۔

رہا یہ مسئلہ کہ چاند دیکھنے والوں کا بیان شہادت ہے یا خبر؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان کے چاند کی صورت میں اس کی حیثیت محض خبر کی ہے اور عید کے چاند کی صورت میں شہادت کی ہے۔

درمختار میں رمضان کے چاند کے بارے میں ہے:

"وقُبِلَ بلادعوی وبلا لفظ" أشهد" وبلا حكم ومجلس قضاء لانهٗ خبر لا شهادة للصوم الخ "(اور رمضان کے چاند میں دعوے کے بغیر اور ''میں گواہی دیتا ہوں'' کے الفاظ کے بغیر اور قاضی کے حکم اور مجلس قضاء کے بغیر عادل کی بات قبول کی جائے گی؛ کیونکہ یہ خبر ہے، شہادت نہیں)(۱)

اور اسی میں عید کے چاند کے بارے میں فرمایا کہ:

"وشُرِطَ للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد الخ "(اور عید الفطر کے چاند کے لئے مطلع صاف نہ ہونے کے ساتھ اور چاند کی خبر دینے والوں کے عادل ہونے کے ساتھ نصاب شہادت اور لفظ ''اشہد'' بھی شرط ہے)(۲)

علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ:

"اعلم ان ما كان من باب الديانات فانهٗ يكتفى فيه بخبر الواحد العدل كهلال رمضان وماكان من حقوق العباد وفيه الزام محض كالبيوع والأملاك ، فشرطه العدد والعدالة ولفظ الشها دة مع باقی شروطها ومنه الفطر الخ "(جاننا چاہئے کہ جو امر باب دیانات سے ہو اس میں ایک عادل کی خبر

(۱) الدرالمختار مع الشامی: ۲/۳۸۵-۳۸۶ (۲) الدرالمختار مع الشامی: ۲/۳۸۵-۳۸۶

کافی سمجھی جاتی ہے، جیسے رمضان کا چاند، اور جو امر حقوق العباد میں سے ہو اور اس میں الزام محض ہو جیسے تجارتیں اور املاک، تو باقی شرطوں کے ساتھ اس کی شرط گواہوں کا متعینہ عدد، ان کی عدالت اور لفظ شہادت ہے، اور انہی امور میں سے ایک افطار بھی ہے)۔(۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عید کے چاند میں جب شہادت ضروری تو اس کے باقی شروط مثل مجلس قضاء وغیرہ بھی ضروری ہونگے، جہاں قاضی نہیں ہیں، ان علاقوں کے بارے میں علامہ عبدالحیؒ کی رائے گزری کہ عالم ثقہ اس کے قائم مقام ہے۔ اور علامہ بنوریؒ کی رائے گزری کہ وہاں صرف خبر پر معاملہ ہوگا، شہادت کی ضرورت نہیں۔ درمختار میں بھی اسی طرح لکھا گیا ہے، صاحب بحر نے بھی اسی کو لیا ہے۔ یہ مسئلہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

تاخیر شہادت کا حکم

اگر کوئی شخص شہادت عند القاضی میں تاخیر کرے تو اس کا کیا حکم ہے، اس کے متعلق فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شہادت دینے میں تاخیر کرنا بعض صورتوں میں فسق کا موجب ہے جس سے شہادت مردود ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری نے "الاشباہ والنظائر" میں لکھا ہے کہ:

" شاهد الحسبة إذا أَخَّرَ شهادتَه بغير عذر لا يُقبَلُ لفسقه"۔ (۲)

اور فتاوی عالم گیری میں شیخ خواہر زادہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

" إن في حقوق العباد إذا طلب المدعيّ من الشاهد ليشهد له فأخّر من غيرعذر ظاهر ، ثم أدّى بعد ذلك لاتُقبَلُ شهادة هذا الشاهد لأنّ بالتأخير من غيرعذر صَارَ فاسقاً ، كذا في الظهيرية" (۳)

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۲۷ (۲) الاشباہ والنظائر: ۲/۳۲۴ (۳) فتاوی عالمگیری: ۳/۴۶۷

(حقوق العباد کے بارے میں اگر مدعی نے گواہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے حق میں گواہی دے، اور وہ بغیر کسی ظاہری عذر کے تاخیر کردے اوراس کے بعد گواہی ادا کرے تو اس گواہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ بلا عذر تاخیر کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہو چکا ہے)

مگر علامہ رافعی نے حاشیہ ابوالسعود سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ:

" يُشْتَرَطُ لفسقه بالتأخير بعد العلم بالحرمة من غير عذر ظاهر تَعيُّنُه لأداءِ الشهادة۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ تاخیر سے شہادت اس وقت مردود ہوتی ہے جبکہ تین شرطیں پائی جائیں: (۱) ایک یہ کہ یہ تاخیر بلا عذر ہوئی ہو (۲) دوسری یہ کہ تاخیر کی حرمت کا علم ہو (۳) تیسری یہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور اداءِ شہادت کے لئے موجود نہ ہو۔

پھر یہاں علماء میں ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ شہادت میں تاخیر سے اس کا غیر مقبول ہونا ہر قسم کی شہادت کے بارے میں ہے یا خاص حرمتِ فروج کے سلسلہ میں ہے علامہ حمویؒ نے حاشیہ الاشباہ میں اس پر کلام کیا ہے، اور ہر قسم کی شہادت میں تاخیر کو موجب فسق قرار دئے جانے کی تائید کی ہے۔ (۲)

پس اگر بلا عذر شہادت دینے میں تاخیر کریں تو مذکورہ شرائط کے پائے جانے کی صورت میں چاند کے معاملہ میں بھی شہادت رد کر دینا مناسب اور قرین قیاس ہے؛ کیونکہ جب معاملہ رمضان وعید کا ہوتا ہے تو اس کی اہمیت سب کو معلوم ہوتی ہے پھر بھی شہادت میں تاخیر ضرور موجب فسق ہونا چاہئے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) تقریرات الرافعی علی ردالمحتار: ۲۰۶ (۲) دیکھو الاشباہ مع الحموی: ۲/۳۲۴

رہا یہ مسئلہ کہ کتنی تاخیر موجب رد ہوگی، حمویؒ نے قنیہ کے حوالے سے اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، پھر بعض فضلاء سے نقل کیا ہے کہ مدار اس پر ہے کہ قاضی کے پاس حاضر ہوکر شہادت دینے پر قدرت ہو، یعنی اتنی تاخیر کرنا جو قاضی کے پاس حاضر ہونے کے لئے درکار ہے وہ موجب فسق نہ ہوگی اور اس سے زائد تاخیر موجب فسق ورد ہوگی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"قال بعض الفضلاء : بل المدار علی التمکن من الشهادة عند القاضی "۔(۱)

لہٰذا اگر شہادت دینے میں اس قدر تاخیر کیا کہ قاضی کے پاس حاضر ہونے میں اس قدر وقت کی ضرورت نہیں تھی تو اس شخص کی شہادت موجبِ فسق ہوگی اور مردود قرار دی جائے گی اور اگر تاخیر اس قدر ہوئی ہے کہ اس قدر وقت کی ضرورت تھی تا کہ قاضی کے پاس آسکے تو یہ تاخیر موجب فسق نہ ہوگی اور قبول کرلی جائے گی۔

حدودِ قضاء

بعض صوبوں میں جہاں نظام قضاء موجود ہے جیسے صوبۂ بہار اور اڑیسہ، اگر وہاں کا قاضی چاند ہونے کا ثبوت ہونے کے بعد اعلان کرتا ہے تو وہاں کے قاضی کا فیصلہ اس کے حدودِ قضاء کے مسلمانوں کے لئے لازم وواجب العمل ہے۔

عالمگیری میں یہ جزئیہ لکھا ہے کہ: " إذا قلد السلطان رجلاً قضاء یوم یجوز ویتأقت وإذا قیده بالمکان یجوز و یتقید بذلك المکان" (اگر سلطان نے کسی شخص کو ایک دن کے لئے قضاء کا عہدہ سونپا تو یہ جائز ہے اور وہ ایک دن سے موقت ہوگا اور اگر سلطان نے اس کو کسی جگہ کے ساتھ مقید کیا تو یہ بھی جائز ہے اور اسی مکان وجگہ کے ساتھ مقید ہوگا)۔(۲)

---

(۱) حموی علی الاشباہ: ۲/۲۲۴ (۲) فتاوی عالمگیری: ۳/۳۸۵

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کا عہدہ زمانے سے بھی مقید ہوسکتا ہے اور جگہ کے ساتھ بھی مقید ہوسکتا ہے، لہٰذا جس قدر اختیار ہو اسی کے دائرہ تک اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، اور اس دائرے کے باہر اس کی حیثیت قاضی کی نہ ہوگی، لہٰذا اس کا حکم و فیصلہ بھی نافذ نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کرام کا بیان بہت واضح ہے، علامہ ابن الہمام و علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:" والقاضی لو أَخْبَرَ قاضيَ البلد الآخر بأنّه ثَبَتَ عنده بِبَيِّنَةٍ قَبِلَهَا حقَّ فلان الكائن في بلد القاضي الآخر لم يجز العمل به ؛لأن إخبار القاضي لايثبت حُجّةً في غير محلِّ ولايته"(قاضی اگر دوسرے شہر کے قاضی کو یہ خبر دے کہ میرے پاس قابل قبول گواہی کی بنیاد پر فلاں شخص کا حق جو دوسرے قاضی کے شہر میں رہتا ہے ثابت ہوگیا تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ قاضی کی خبر اس کے حدودِ ولایت کے باہر حجت نہیں ہوسکتی)(۱)

اس سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ قاضی کا حکم و فیصلہ اس کے حدودِ اختیار ہی میں واجب التعمیل ونافذ العمل ہوتا ہے، اس کے باہر وہ حجت نہیں ہوتا۔

قاضی کے اعلان کا درجہ

قاضی صاحب کی طرف سے اگر ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے ذریعہ متعینہ الفاظ میں اعلان ہوتا ہے تو یہ اعلان اس کے حدود قضاء کے لئے اعلانِ سلطان کے حکم میں ہوگا؛ وجہ یہ ہے کہ جب قاضی امام المسلمین کی جانب سے ولایت قضاء پر فائز ہوا ہے تو وہ اس کی جانب سے اس کا بھی مجاز ہے کہ وہ اپنے حدود قضاء میں رویت کا اعلان کرے، لہٰذا اس کا اعلان اعلان سلطان کے حکم میں ہے، وھو ظاہر۔

(۱) فتح القدیر: ۳۸۲/۶، ردالمحتار: ۳۶۵/۴

لیکن جہاں اسلامی سلطنت ہی نہ ہو وہاں کے لوگوں کے لئے مسلمانوں کا منتخب قاضی بھی سلطان کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا اعلان بھی اعلان سلطان کے درجے میں مانا جائے گا؛ کیونکہ جہاں سلطان نہ ہو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ علماء کی جانب رجوع کریں اور ایسی جگہوں پر متدین وثقہ عالم حاکم وسلطان کے حکم میں ہوتا ہے۔(۱)

کمیٹی کے فیصلہ کے حدود

ہندوستان اور اس جیسے ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے، اگر ایک صوبہ کے قاضی یا رویت ہلال کمیٹی نے شرعی اصولوں کی روشنی میں رویت ہلال کا اعلان کیا تو یہ صرف اسی صوبے کے مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہوگا اور دوسرے علاقے کے مسلمانوں کے حق میں اس کا درجہ محض ایک خبر کا ہوگا۔

" قال ابن الماجشون لا يلزمهم بالشهادة الأأهل البلد الذى تثبت فيه الشهادة إلا أن يثبت عند الإمام الأعظم فليزم الناس كلهم لأن البلد في حقه كالبلد الواحد إذ حكمه نافذ في الجميع۔ (۲)

لہٰذا دوسرے علاقوں کے مسلمانوں پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی، بلکہ وہ محض ایک خبر ہے جس پر کوئی اعتماد کرے تو عمل کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔

اگر غیر مسلم اعلان کرے تو؟

ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان کرنے والا مسلمان ہونا ضروری ہے، اگرچہ کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ ازخود چاند کا اعلان نشر نہ کرے بلکہ علماء کے فیصلہ

---

(۱) عمدۃ الرعایہ:۲/۲۲۶ (۲) فتح الباری:۴/۱۲۳

ہی کو ان ہی کے حوالے سے نشر کرے اور وہ اس کی پابندی بھی کرے کہ علماء کی طرف سے جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، بلا ردوبدل اس کو نشر کرے، تب بھی کسی غیر مسلم کا اعلان کافی نہ ہوگا؛ کیونکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ دیانات میں کافر کے قول کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"لا يقبل قول الكافر في الديانات "(کہ کافر کے قول کا دیانات میں کوئی اعتبار نہیں)(۱)

اسی طرح دیگر کتب میں بھی لکھا ہے، لہٰذا کافر کا اعلان معتبر نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

ابر آلود مطلع والے علاقوں کا حکم

جن علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے اور بہت کم چاند کی رویت ۲۹/ تاریخ کو ممکن ہوتی ہے، ایسی جگہوں پر ہمیشہ ۳۰/ دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں، بلکہ ایسے علاقوں میں ان کے قریب کے علاقوں کی رویت کا اعتبار کرنا چاہیئے جبکہ مطلع دونوں کا ایک ہو، ہمیشہ تیس دن کا اعتبار کرنا اور اس کے قرب وجوار کے متحد المطلع علاقوں کی رویت کا اعتبار نہ کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح محض ماہرین فلکیات کا قول بھی اس بارے میں معتبر نہ ہوگا۔

ریڈیو کے اعلان پر اعلان

رہا یہ سوال کہ ملک کے چند شہروں یا صوبوں کی رویت ہلال کمیٹی کے ذمہ داران کی طرف سے رویت کے ثبوت کا فیصلہ ہو جانے پر ان جگہوں کے ریڈیو اسٹیشن ان کی طرف سے رویت کا جو اعلان کرتے ہیں، دوسرے علاقوں کے ذمہ

(۱) عالمگیری: ۳۴۲/۵

داران کس حد تک ان اعلانات پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا ان اعلانات کی بنیاد پر وہ رویت کا ثبوت مان کر اپنے علاقوں میں اعلان کر سکتے ہیں اور اس کے لیے کیا کم از کم تین جگہوں کا اعلان درکار ہوگا؟

اس کے لئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب و دیگر علماء نے جو تجویز کی ہے وہ بہتر ہے۔ آپ نے ''جواہر الفقہ'' میں لکھا ہے کہ:

''حکومت ہر بڑے شہر میں ذیلی کمیٹیاں قائم کرے، ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسے مستند علماء کو ضرور لیا جائے جو شرعی ضابطہ شہادت کا تجربہ رکھتے ہوں اور ہر ذیلی کمیٹی کا کام صرف شہادت مہیا کرنا نہ ہو بلکہ اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے۔ یہ ذیلی کمیٹی اگر باقاعدہ شہادتیں لے کر کوئی فیصلہ کر دیتی ہے تو فیصلہ تو شہادت کی بنیاد پر ہو چکا، اب صرف اعلان کا کام باقی ہے، اس کے لئے شہادت ضروری نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا کوئی ذمہ دار مرکزی کمیٹی کو ٹیلی فون پر محتاط طور پر جس میں کسی کی مداخلت کا خطرہ نہ رہے، ذیلی کمیٹی کے اس فیصلہ کی اطلاع دے دے، اور مرکزی کمیٹی اس صورت میں اس کو اپنا فیصلہ کہہ کر نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس طرح نشر کرے کہ مرکزی کمیٹی کے سامنے کوئی شہادت نہیں آئی بلکہ فلاں ذیلی کمیٹی نے جس میں فلاں فلاں علماء شریک ہیں شہادت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے ہم اس فیصلہ پر اعتماد کر کے اعلان کر رہے ہیں۔ (۱)

اس تجویز میں حکومت کا ذکر ہے، لیکن اگر اسلامی حکومت نہ ہو جیسے ہندوستان تو وہاں علماء بھی ہر شہر میں کمیٹیاں قائم کر کے، ایک کو مرکز بنا سکتے ہیں، اور کسی بھی ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کا اعلان ملک بھر کے لیے وہ کر سکتی ہے، لیکن صرف ریڈیو اسٹیشن کے اعلان پر جب کہ ایسی منظّم صورت نہ ہو، دوسری جگہوں کی کمیٹیاں،

---

(۱) جواہر الفقہ: ۱/۴۰۲-۴۰۳

فیصلہ نہ کریں بلکہ اور ذرائع ابلاغ سے تحقیق کر کے فیصلہ کریں جس کی صورت اوپر لکھی گئی ہے۔

ہاں البتہ مختلف ریڈیو اسٹیشن کسی جگہ کے بارے میں چاند ہو جانے کی خبر دیں اور استفاضہ کی صورت ہو جائے تو اس پر اعتماد کرنا درست ہے اور اس پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ کتنی جگہوں کا اعلان درکار ہوگا، تین جگہ کا یا اس سے زائد؟ تو اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ جس قدر اعلانات پر کمیٹی کو وہاں چاند ہو جانے کا اطمینان ویقین ہو جائے اس قدر ضروری ہے۔ حضرت محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے:

''بعض فقہاء نے پچاس اور بعض نے کم وبیش کا عدد متعین کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ تعداد کوئی متعین نہیں، قاضی یا ہلال کمیٹی کے اعتماد پر مدار ہے، بعض اوقات سو آدمیوں کی خبر بھی کم ہے اور بعض اوقات دس بیس کی خبر سے ایسا یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے''(۱)

یہاں ایک بات یہ بھی ضروری طور پر نوٹ کر لینے کی ہے کہ استفاضہ کی صورت جس کا ذکر اوپر آیا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف جگہ کے ریڈیو اسٹیشن اپنے اپنے علاقوں کے قاضیوں یا کمیٹیوں کا فیصلہ سنائیں، اور اگر ایک اسٹیشن سے بہت سے شہروں کے بارے میں چاند کی خبریں سن لینا استفاضہ خبر کے لئے کافی نہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے کہ:

''یاد رہے کہ کسی ایک ریڈیو سے بہت سے شہروں کی خبریں سن لینا استفاضہ

(۱) رویت ہلال:۴۳

خبر کے لئے کافی نہیں، بلکہ استفاضۂ خبر جب سمجھا جائے گا جب دس بیس جگہوں کے ریڈیو اپنے اپنے مقامات کے قاضیوں یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ نشر کریں‘‘(واللہ اعلم)(۱)

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ
مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، بیدواڑی بنگلور

---

(۱)رویت ہلال:۴۳